

حضرت مسیح موعودؑ کی احباب جماعت کو پسند و نصائح

(ملفوظات جلد 6 ایڈیشن 1984ء)

(تقریر نمبر 5)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

الَّذِينَ يَدْعُونَ إِلَى الْكُفْرِ لَا يُغْنِي عَنْهُمْ كَيْفُ الذَّنْبِ وَلَا هُمْ يَأْتُونَ بِبُرْهَانٍ (البقرہ: 1-4)

اَنَا اللَّهُ اعْلَمُ: میں اللہ سب سے زیادہ جاننے والا ہوں۔ یہ ”وہ“ کتاب ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ ہدایت دینے والی ہے متقیوں کو۔ جو لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم انہیں رزق دیتے ہیں اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وہ دیکھتا ہے غیروں سے کیوں دل لگاتے ہو
جو کچھ بتوں میں پاتے ہو اُس میں وہ کیا نہیں
سب خیر ہے اسی میں کہ اُس سے لگاؤ دل
ڈھونڈو اسی کو یارو! بتوں میں وفا نہیں

معزز سامعین! حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بطور تحکم و عدل اور نبی، مجدد اور مصلح کے آپ کے ملفوظات، ارشادات ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ جو ملفوظات کے نام سے دس جلدوں میں اکٹھے کر دئے گئے ہیں۔ خاکسار ”مشاہدات“ کے تحت تقاریر کی صورت میں روزمرہ تربیتی نصائح کو اکٹھا کر رہا ہے۔ آج 1984ء ایڈیشن کی ملفوظات کی جلد نمبر 6 میں درج پسند و نصائح تقریر نمبر 5 کی صورت میں پیش ہے۔

خدا شناسی کی ضرورت۔ فرمایا :

”یہ دنیا چند روزہ ہے اور ایسا مقام ہے کہ آخر فنا ہے۔ اندر ہی اندر اس فنا کا سامان لگا ہوا ہے وہ اپنا کام کر رہا ہے مگر خبر نہیں ہوتی اس لیے خدا شناسی کی طرف قدم جلد اٹھانا چاہئے۔ خدا تعالیٰ کا مز اُسے آتا ہے جو اُسے شناخت کرے اور جو اس کی طرف صدق و وفا سے قدم نہیں اٹھاتا اس کی دُعا کھلے طور پر قبول نہیں ہوتی اور کوئی نہ کوئی حصہ تاریکی کا اُسے لگا ہی رہتا ہے۔ اگر خدا تعالیٰ کی طرف ذرا سی حرکت کرو گے تو وہ اس سے زیادہ تمہاری طرف حرکت کرے گا۔ لیکن اول تمہاری طرف سے حرکت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ خام خیالی ہے کہ بلا حرکت کیسے اس سے کسی قسم کی توقع رکھی جاوے۔ یہ سُنْتُ اللہ اسی طریق سے جاری ہے کہ ابتدا میں انسان سے ایک فعل صادر ہوتا ہے۔ پھر اس پر خدا تعالیٰ کا ایک فعل نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایک شخص اپنے مکان کے کُل دروازے بند کر دے گا تو یہ بند کرنا اس کا فعل ہو گا۔ خدا تعالیٰ کا فعل اس پر یہ ظاہر ہو گا کہ اس مکان میں اندھیرا ہو جاوے گا لیکن انسان کو اس کو چہ میں پڑ کر صبر سے کام لینا چاہئے۔

بعض لوگ شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے سب نیکیاں کیں۔ نماز بھی پڑھی۔ روزے بھی رکھے۔ صدقہ خیرات بھی دیا۔ مجاہدہ بھی کیا مگر ہمیں وصول کچھ نہیں ہوا۔ تو ایسے لوگ شقی ازلی ہوتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی ربوبیت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ انہوں نے سب اعمال خدا تعالیٰ کے لیے کئے ہوتے ہیں۔ اگر خدا تعالیٰ کے لیے کوئی فعل کیا جاوے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ضائع ہو اور خدا تعالیٰ اس کا اجر اسی زندگی میں نہ دیوے۔ اسی وجہ سے اکثر لوگ شکوک و شبہات میں رہتے ہیں اور اُن کو خدا تعالیٰ کی ہستی کا کوئی پتہ نہیں لگتا کہ ہے بھی کہ نہیں۔ ایک پارچہ سلّا ہو تو انسان جان لیتا ہے کہ اس کے سینے والا ضرور کوئی ہے۔ ایک گھڑی ہے وقت دیتی ہے۔ اگر جنگل میں بھی انسان کو مل جاوے تو وہ خیال کرے گا کہ اس کا بنانے والا ضرور ہے۔ پس اسی طرح خدا تعالیٰ کے افعال کو دیکھو کہ اس نے کس کس قسم کی گھڑیاں بنا رکھی ہیں

اور کیسے کیسے عجائباتِ قدرت ہیں ایک طرف تو اس کی ہستی کے عقلی دلائل ہیں۔ ایک طرف نشانات ہیں۔ وہ انسان کو منوادیتے ہیں کہ ایک عظیم الشان قدرتوں والا خدا موجود ہے وہ پہلے اپنے برگزیدہ پر اپنا ارادہ ظاہر فرماتا ہے اور یہی بھاری شے ہے جو انبیاء لاتے ہیں اور جس کا نام پیشگوئی ہے۔ ایک انسان کا غم کا کبوتر بنا کر دکھلاوے تو اس کی نظیر دوسرے بھی کر کے دکھادیتے ہیں اور اُسے اعجاز میں شمار نہیں کیا جاتا۔ مگر پیشگوئی کا میدان وسیع ہے۔ اس کی نظیر پیدا کرنا انسان کا کام نہیں۔ ہزار ہزار برس پیشتر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اپنے ارادہ سے اطلاع دے دیتا ہے اور پھر وہ بات اپنے وقت پر پوری ہو کر رہتی ہے مثلاً براہین کی ہی پیشگوئی کو دیکھو کہ جس قدر مخالفت ہو رہی ہے۔ مقدمات ہوئے۔ گورنٹ تک نوبت پہنچی۔ یہ سب اوّل سے اس میں درج ہیں اور پھر کامیابی، فتح اور نصرت کی بھی خبر اوّل سے ہی دے دی۔ کوئی سوچ کر بتلا دے کہ اس میں کیا فریب اور شعبہ ہے۔ 23-24 سال پیشتر کی چھپی ہوئی یہ کتاب ہے۔ کوئی بتلا سکتا ہے کہ ہمارے پاس اس وقت کون کون ہوتا تھا۔ اگر اہل الرائے کے نزدیک یہ ایک انسانی فعل ہے اور خدا تعالیٰ کا نہیں ہے تو وہ اس کی نظیر پیش کریں لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ جبکہ یہ حال ہے تو پھر اُسے کیوں خدا تعالیٰ کا کلام نہ کہا جاوے۔

جس قدر لوگ ہماری صحبت میں رہنے والے ہیں ان میں کوئی اٹھ کر بتلا دے کہ کیا کوئی ایسا فرد بشر بھی ہے کہ اس نے کوئی نشان نہ دیکھا ہو۔ ہمارے پر سلطنت ایسے لوگوں کی ہے جو سچے اور کامل خدا سے بالکل بے خبر ہیں۔ دنیاوی امور میں اس قدر مصروفیت ہے کہ دین سے بالکل غافل رہے اور وہی فلسفہ کا زور۔ اس لیے دہریت اُن میں آگئی۔ اب ہمارا بڑا کام یہ ہے کہ نئے نئے سرے سے بنیاد ڈالیں اور ان کو دکھادیوں کہ خدا ہے۔

ہر ایک ہمارے پاس کسی نہ کسی ضرورت کے لیے آتا ہے مگر اصل میں بڑی ضرورت خدا شناسی کی ہے۔ اسی کے نہ ہونے سے گناہ ہوتا ہے۔ کتا ایک ذلیل سے ذلیل جانور ہے مگر اس سے خوف زدہ ہو کر انسان راہ چھوڑ دیتا ہے۔ اسی طرح جس راہ میں اُسے علم ہو کہ سانپ یا بھیڑیا ہے تو اُسے چھوڑ دیتا ہے۔ جب وہ ادنیٰ ترین جانوروں سے ڈرتا ہے تو کیا خدا کے وجود کا اُسے اتنا بھی خوف نہیں کہ اس سے ڈر کر گناہ سے باز رہے۔ زہر اس کے سامنے ہو تو اسے نہیں کھائے گا لیکن گناہ کو دیدہ دانستہ کر لے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود پر یقین نہیں ہے۔ حالانکہ مشاہدہ کرتا ہے کہ اس نے ایک جہنم یہاں بھی تیار کر رکھا ہے کہ جب کوئی بدکاری کرتا ہے تو اس کی سزا بھی ساتھ ہی پاتا ہے۔ جس کسی کی جہنمی زندگی ہے وہ خوب محسوس کر لے گا۔ سچی بات یہ ہے کہ جرائم پیشہ کو وہ کبھی نہیں چھوڑتا۔ جو شخص دلیری اور چالاکی سے گناہ کرتا ہے اس کا انجام بد ہوتا ہے۔ یہ تو جسمانی طور پر گناہ کی سزا ہے لیکن روحانی طور پر بھی جو شخص خدا تعالیٰ کو نہیں پہچانتا وہ جہنم ہی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ حیوانوں کی طرح کھاپی لیا اور عورتوں کے پاس ہو آیا۔ اگر اسی کا نام زندگی ہے تو بتلاؤ کہ حیوانوں میں اور اس میں کیا فرق ہے اور حیوانوں سے زائد قوی عقل و فکر وغیرہ کے خدا تعالیٰ نے اُسے کیوں دیئے۔ جو لوگ ان قوی سے کام نہیں لیتے ان کو خدا تعالیٰ اَصْلُ مِنَ الْاَنْعَامِ قرار دیتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اُس نے قوی کو معطل کر دیا۔ بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ انسان کو حقیقی طور پر معلوم ہو جاوے کہ خدا ہے۔

جس قدر جرائم، معاصی اور غفلت وغیرہ ہوتی ہے ان سب کی جڑ خدا شناسی میں نقص ہے۔ اسی نقص کی وجہ سے گناہ میں دلیری ہوتی ہے۔ بدی کی طرف رجوع ہوتا ہے اور آخر کار بد چلنی کی وجہ سے آتشک کی نوبت آتی ہے پھر اس سے جدام ہوتا ہے جس سے نوبت موت تک پہنچتی ہے۔ حالانکہ اگر بدکاری میں لذت حاصل نہ کرے تو خدا تعالیٰ اُسے لذت اور طریق سے دے دے گا یا اس کے جائز وسائل بہم پہنچا دے گا۔ مثلاً اگر چور چوری کرنا ترک کر دے تو خدا تعالیٰ اُسے مقدر رزق ایسے طریق سے دے دے گا کہ حلال ہو اور حرام کار حرام کاری نہ کرے تو خدا تعالیٰ نے اس پر حلال عورتوں کا دروازہ بند نہیں کر دیا۔ اسی لیے بد نظری اور بدکاری سے بچنے کے لیے ہم نے اپنی جماعت کو کثرت ازدواج کی بھی نصیحت کی ہے کہ تقویٰ کے لحاظ سے اگر وہ ایک سے زیادہ بیویاں کرنا چاہیں تو کر لیں مگر خدا تعالیٰ کی معصیت کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر گناہ کر کے جو شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 229-233)

سامعین! خدا شناس اور سچے ایمان کی ضرورت بیان کرتے ہوئے حضور فرماتے ہیں:

”ضروری بات خدا شناسی ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت اور جزا سزا پر پکا ایمان ہو۔ اسی کی کمی سے دنیا میں فسق و فجور ہو رہا ہے۔ لوگوں کی توجہ دنیا کی طرف اور گناہوں کی طرف بہت ہے دن اور رات یہی فکر ہے کہ کس طرح دنیا میں دولت، وجاہت، عزت ملے۔ جس قدر کوشش ہے خواہ کسی پیرایہ میں ہی ہو مگر وہ دنیا کے لیے ہے۔ خدا تعالیٰ کے لیے ہرگز نہیں۔ دین کا اصل بُب اور خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ پر سچا ایمان ہو۔ مگر اب مولوی وعظ کرتے ہیں تو ان کے وعظ کی بھی علت غائی یہ ہوتی ہے

کہ اسے چار پیسے مل جاویں جیسے ایک چور باریک در باریک حیلے چوری کے لیے کرتا ہے ویسے ہی یہ لوگ کرتے ہیں۔ ایسی حالت میں بجز اس کے کہ عذاب الہی نازل ہو اور کیا ہو سکتا ہے۔

ایک اعتراض ہم پر یہ ہوتا ہے کہ اپنی تعریف کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مطہر، برگزیدہ قرار دیتے ہیں۔ اب ان لوگوں سے کوئی پوچھے کہ خدا جو امر ہمیں فرماتا ہے کیا ہم اس کی نافرمانی کریں؟ اگر ان باتوں کا اظہار نہ کریں تو معصیت میں داخل ہو۔ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیا کیا الفاظ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمائے ہیں ان لوگوں کے خیال کے مطابق تو وہ بھی خود ستائی ہوگی۔ خود ستائی کرنے والا حق سے دور ہوتا ہے مگر جب خدا تعالیٰ فرمائے تو پھر کیا کیا جائے۔ یہ اعتراض ان نادانوں کا صرف مجھ پر ہی نہیں ہے بلکہ آدم سے لے کر جس قدر نبی، رسول، ازکیا اور مامور گزرے ہیں سب پر ہے۔ ذرا غور کرنے سے انسان سمجھ سکتا ہے کہ جسے خدا تعالیٰ مامور کرتا ہے ضرور ہے کہ اس کے لیے اجتناب اور اصطفاء ہو اور کچھ نہ کچھ اس میں ضرور خصوصیت چاہیے کہ خدا تعالیٰ کل مخلوق میں اُسے برگزیدہ کرے۔

خدا تعالیٰ کی نظر خطا جانے والی نہیں ہوتی۔ پس جب وہ کسی کو منتخب کرتا ہے وہ معمولی آدمی نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں بھی اسی کی طرف اشارہ ہے اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ (الانعام: 125) اس سوال کا آخر ما حاصل یہ ہے کہ وہ ہمیں مفتری کہیں گے مگر پھر ان پر سوال ہوتا ہے کہ عجب خدا ہے کہ اس قدر عرصہ دراز سے برابر افترا کا موقع دیے چلا جاتا ہے اور جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ وقوع میں آتا ہے۔ اگر مفتریوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کے یہ سلوک ہیں اور اس طرح سے اُن کی تائید اور نصرت کی جاتی ہے جیسے کہ ہماری تو پھر کل انبیاء کو بھی انہیں مفتری قرار دینا پڑے گا۔ وہی علامات اور براہین جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کی صداقت کے نشان اور دلیل تھے وہی اب بھی موجود ہیں۔ جسے خدا تعالیٰ منتخب کرے اگر وہ اس کی تعریف نہ کرے تو کیا گندہ کہے؟ اس سے خدا پر حرف آتا ہے کہ اس کا انتخاب گندا ٹھہرتا ہے۔

اگر دنیا کے مجازی حکام اعلیٰ کو بھی دیکھو تو وہ بھی حقیقی الوسع کمشنری، لیفٹننٹی، ڈپٹی کمشنری وغیرہ کے عہدوں کے لیے انہیں کو انتخاب کرتے ہیں جو کہ اُن کی نظر میں لائق ہوتے ہیں۔ اگر وہ حکام اعلیٰ کی نظر میں نالائق اور ذمہ داریوں کی بجا آوری کے ناقابل ہوں تو انتخاب نہیں کیے جاتے۔ پس اسی طرح مامورین وغیرہ خدا تعالیٰ کی نظروں میں نالائق اور نکتے اور اشقیاء ہوں تو پھر لوگوں کو مڑکی بنانے کی خدمت اُن سے کیسے لی جاوے۔

یہ ایک نکتہ ہے کہ ان کا جو اعتراض ہوتا ہے وہ صرف میری ذات پر نہیں ہوتا بلکہ عام ہوتا ہے کہ آدم سے لے کر جس قدر نبی اس وقت تک گزرے ہیں سب اس میں شامل ہوتے ہیں۔ بھلا وہ ایک اعتراض تو کر کے دکھلاویں جو سابقہ انبیاء میں سے کسی پر نہ ہوا ہو۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان کے لوازم تمام اس وقت ردی ہو گئے تھے، دل حلاوت ایمان سے خالی ہیں، دنیا کی زیب و زینت کے خیال نے دلوں پر تصرف کر لیا ہے۔ ایک گہرے بحر ظلمات میں لوگ پڑے ہوئے ہیں۔ اس وقت بڑی ضرورت اور احتیاج اس امر کی ہے کہ وہ تقویٰ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور کتاب اللہ نازل ہوئی، حاصل ہو۔ ایک مردہ ایمان لوگوں کے پاس ہے۔ اس لیے اس ایمان کی کوئی نشانی بھی ہاتھ میں نہیں ہے اور اسی باعث سے یہ وبال ان لوگوں پر ہے۔ پھر کہتے ہیں کیا ہم نماز ادا نہیں کرتے۔ روزہ نہیں رکھتے، کلمہ نہیں پڑھتے۔ ان کبختوں کو اتنی خبر نہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے تو یہود بھی تو سب عبادتیں کرتے تھے پھر وہ کیوں مغضوب ہوئے۔

ان کی نہایت بد قسمتی اور شقاوت ہے کہ بھلا دیا ہے کہ اسلام کیا ہے۔ دین کیا ہے۔ کب کہا جاتا ہے کہ فلاں متقی ہے، فلاں مومن ہے۔ صرف چھلکے اور پوست پر نازاں ہیں اور مغز کو ہاتھ سے کھو دیا ہے جو کہ دین کی اصل روح ہے اور خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ روح دوبارہ پیدا کرے۔ اگر ان لوگوں میں تقویٰ اور معرفت ہو تو یہ اعتراض کر کے خود ہی نادم ہوں۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 305-308)

بیعت کوئی جماعت پر احسان نہیں۔ فرمایا

” اگر کوئی شخص بیعت کر کے یہ خیال کرتا ہے کہ ہم پر احسان کرتا ہے تو یاد رکھیں کہ ہم پر کوئی احسان نہیں بلکہ یہ خدا کا اس پر احسان ہے کہ اُس نے یہ موقع اُسے نصیب کیا۔ سب لوگ ایک ہلاکت کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے۔ دین کا نام و نشان نہ تھا اور تباہ ہو رہے تھے۔ خدا نے اُس کی دستگیری کی کہ یہ سلسلہ قائم کیا۔ اب جو اس ماندہ سے محروم رہتا ہے وہ بے نصیب ہے لیکن جو اس کی طرف آوے اسے چاہیے کہ اپنی پوری کوشش کے بعد دعا سے کام لے۔ جو شخص اس خیال سے آتا ہے

کہ آزمائش کرے کہ فلاں سچا ہے یا جھوٹا وہ ہمیشہ محروم رہتا ہے۔ آدم سے لے کر اس وقت تک کوئی ایسی نظیر نہ پیش کر سکو گے کہ فلاں شخص فلاں نبی کے پاس آزمائش کے لیے آیا اور پھر اُسے ایمان نصیب ہوا ہو۔ پس چاہیے کہ یہ خدا کے آگے روئے اور راتوں کو اُٹھ کر گریہ و زاری کرے کہ خدا اُسے حق دکھا دے۔

وقت خود ایک نشان ہے اور وہ بتلا رہا ہے کہ اس وقت ایک مصلح کی ضرورت ہے۔ اب وقت آزمائش اور امتحان کا ہرگز نہیں ہے۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو بتلائے کہ ہمارا کیا بگاڑتا ہے۔ مکہ میں اگر صد ہا آدمی انکار کر کے تباہ ہوئے تو بتلاؤ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا بگاڑ لیا؟ ایک مرتد ہو تا تو خدا سزاوار لے آتا۔ کیا یہ غور کی بات نہیں کہ اگر ہمارا کارخانہ خدائی نہ ہوتا تو یہ آج تک کب کا تباہ ہو جاتا۔ ایک وہ وقت تھا کہ میں اکیلا پھر تا تھا اور اب وہ وقت ہے کہ دولاکھ سے زیادہ آدمی میرے ساتھ ہیں۔ آج سے 22-23 برس پیشتر اُس نے بتلایا جو کہ براہین میں درج ہے کہ میں تجھے کامیاب کروں گا اور لاکھوں آدمیوں کو تیرے ساتھ کروں گا۔ اس کتاب کو لے کر دیکھو اور پڑھو اور پھر سوچو کہ کیا یہ انسان کا فعل ہے کہ اس قدر دراز زمانہ پیشتر ایک خبر کو درج کرے اور پھر اس قدر مخالفت ہو اور وہ بات پوری ہو کر رہے۔ پس جو شخص خدا کے اس فعل پر ایمان نہیں لاتا وہ بد بخت مرے گا۔

نشان دیکھنے والے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو لیکھرامی کہ شوخی اور شرارت کرتے ہیں اور خدا کی باتوں پر ہنسی اور تمسخر اُن کا کام ہوتا ہے ایسے جہنم واصل ہوتے ہیں جیسے کہ لیکھرام ہو اور ایک وہ کہ سُنّتِ نبوی کے موافق نشان چاہتے ہیں کہ دنیا کی حیثیت بھی بنی رہے اور نشان بھی ظاہر ہو۔ یہ نہیں کہ قیامت کا نمونہ ان کے لیے ظاہر ہو اور خدا تعالیٰ تمام کائنات کو زیر و زبر کرے (اس صورت میں جب وہ خود مَر ہی جائے گا تو نشان کون دیکھے گا) ایمان کی حد یہی ہے کہ عقل بھی خرچ ہو اور انسان فہم و فراست سے کام لے کر قرآنِ مجید کو دیکھے۔ نہ یہ چاہے کہ یہ سب کچھ انکشاف ہو جاوے تو پھر اُسے ثواب کس بات کا؟ وہ تو ایمان ہی نہیں ہے جس میں پردہ نہیں ہے اس لیے خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ نشان کو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ انسان من وجہ دیکھے کہ زمانہ کی ضرورت کیا تقاضا کرتی ہے۔ وہ ایک مصلح کو چاہتی ہے کہ نہیں۔ پھر ان وعدوں پر نظر ڈالے جو نصرت اور تائید کے خدا نے ہم سے قبل از وقت کیے اور وہ سب پورے ہوئے۔ غرض کہ ان سب باتوں پر جب یکجائی نظر کر کے پھر بھی کوئی نہیں مانتا تو وہ کبھی نہ مانے گا۔ ایسے ضدی لوگوں کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی کہا کہ حرام کار لوگ معجزہ طلب کرتے ہیں مگر ان کو کوئی معجزہ نہ دیا جاوے گا۔ پس ایسی باتوں سے ڈرنا چاہیے۔ آباءِ تقلید اور رسم اور عقائد کی پابندی کا ڈر نہ ہونا چاہیے یہ کوئی شے نہیں ہے نہ اُن سے انسان کو تسلی ملتی ہے وہ نور جو آسمان سے نازل ہوتا ہے وہ حقیقی تسلی دیتا ہے۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 219-221)

سامعین! سلسلہ میں داخل ہونے کی اصل غرض بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

” سب لوگ یاد رکھو کہ رسمی طور پر بیعت میں داخل ہونا یا مجھ کو امام سمجھ لینا اتنی ہی بات نجات کے واسطے ہرگز کافی نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ دلوں کو دیکھتا ہے وہ زبانی باتوں کو نہیں دیکھتا۔

نجات کے واسطے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار فرمایا ہے وہی ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اوّل سچے دل سے اللہ تعالیٰ کو وحدہ لا شریک سمجھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نبی یقین کرے اور قرآن شریف کو کتاب اللہ سمجھے کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ قیامت تک اب اور کوئی کتاب یا شریعت نہ آئے گی یعنی قرآن شریف کے بعد اب کسی کتاب یا شریعت کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھو! خوب یاد رکھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نئی شریعت اور نئی کتاب نہ آئے گی، نئے احکام نہ آئیں گے۔ یہی کتاب اور یہی احکام رہیں گے۔ جو الفاظ میری کتابوں میں نبی یار رسول کے میری نسبت پائے جاتے ہیں اس میں ہرگز یہ منشاء نہیں ہے کہ کوئی نئی شریعت یا نئے احکام سکھائے جاویں بلکہ منشاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ضرورتِ حقہ کے وقت کسی کو مامور کرتا ہے تو ان معنوں سے کہ مکالماتِ الہیہ کا شرف اس کو دیتا ہے اور غیب کی خبریں اس کو دیتا ہے۔ اس پر نبی کا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ مامور نبی کا خطاب پاتا ہے۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ نئی شریعت دیتا ہے یا وہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو نعوذ باللہ منسوب کرتا ہے بلکہ یہ جو کچھ اُسے ملتا ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سچّی اور کامل اتباع سے ملتا ہے اور بغیر اس کے مل سکتا ہی نہیں۔

ہاں یہ ضروری ہے کہ جب زمانہ میں گناہ کثرت سے ہوتے ہیں اور اہل دنیا ایمان کی حقیقت نہیں سمجھتے اور اُن کے پاس پوست یا ہڈی رہ جاتی ہے اور مغز اور لب نہیں رہتا۔ ایمانی قوت کمزور ہو جاتی ہے اور شیطانی تسلط اور غلبہ بڑھ جاتا ہے، ایمانی ذوق اور حلاوت نہیں رہتی۔ ایسے وقتوں میں عادت اللہ اس طرح پر جاری ہے کہ اللہ تعالیٰ

اپنے ایک کامل بندہ کو جو خدا تعالیٰ کی سچی اطاعت میں فنا شدہ اور محو ہوتا ہے اپنے مکالمہ کا شرف بخش کر بھیجتا ہے اور اب اس وقت اُس نے مجھے مامور کر کے بھیجا ہے کیونکہ یہی وہ زمانہ ہے جس میں الہی محبت بالکل ٹھنڈی ہو گئی ہے۔

اگرچہ عام نظر میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کے بھی قائل ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی زبان سے تصدیق کرتے ہیں۔ بظاہر نمازیں بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں مگر اصل بات یہ ہے کہ روحانیت بالکل نہیں رہی اور دوسری طرف ان اعمالِ صالحہ کے مخالف کام کرنا ہی شہادت دیتا ہے کہ وہ اعمال، اعمالِ صالحہ کے رنگ میں نہیں کیے جاتے بلکہ رسم اور عادت کے طور پر کیے جاتے ہیں کیونکہ ان میں اخلاص اور روحانیت کا شائبہ بھی نہیں ہے۔ ورنہ کیا وجہ ہے کہ ان اعمالِ صالحہ کے برکات اور انوار ساتھ نہیں ہیں۔ خوب یاد رکھو کہ جب تک سچے دل سے اور روحانیت کے ساتھ یہ اعمال نہ ہوں کچھ فائدہ نہ ہو گا اور یہ اعمال کام نہ آئیں گے۔ اعمالِ صالحہ اسی وقت اعمالِ صالحہ کہلاتے ہیں جب ان میں کسی قسم کا فساد نہ ہو۔ صلاح کی ضد فساد ہے۔ صالح وہ ہے جو فساد سے مبرا، منزہ ہو۔ جن کی نمازوں میں فساد ہے اور نفسانی اغراض چھپے ہوئے ہیں۔ اُن کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے واسطے ہر گز نہیں ہیں اور وہ زمین سے ایک بالشت بھی اوپر نہیں جاتی ہیں کیونکہ ان میں اخلاص کی روح نہیں اور وہ روحانیت سے خالی ہیں۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جو یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سلسلہ کی ضرورت کیا ہے؟ کیا ہم نماز روزہ نہیں کرتے ہیں۔ وہ اس طرح پر دھوکہ دیتے ہیں اور کچھ تعجب نہیں کہ بعض لوگ جو ناواقف ہوتے ہیں ایسی باتوں کو سن کر دھوکہ کھا جاویں اور ان کے ساتھ مل کر یہ کہہ دیں کہ جس حالت میں ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں اور ورد و وظائف کرتے ہیں پھر کیوں یہ پھوٹ ڈال دی؟۔ یاد رکھو کہ ایسی باتیں کم سمجھی اور معرفت کے نہ ہونے کا نتیجہ ہیں۔ میرا اپنا کام نہیں ہے یہ پھوٹ اگر ڈال دی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے جس نے اس سلسلہ کو قائم کیا ہے کیونکہ ایمانی حالت کمزور ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی ہے کہ ایمانی قوت بالکل ہی معدوم ہو گئی ہے اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ حقیقی ایمان کی روح پھونکے جو اس سلسلہ کے ذریعہ سے اس نے چاہا ہے۔ ایسی صورت میں ان لوگوں کا اعتراض بے جا اور بے ہودہ ہے۔ پس یاد رکھو کہ ایسا وسوسہ ہر گز ہر گز کسی کے دل میں نہیں آنا چاہیے اور اگر پورے غور و فکر سے کام لیا جاوے تو یہ وسوسہ آہی نہیں سکتا۔ غور سے کام نہ لینے کے سبب ہی سے وسوسہ آتا ہے جو ظاہری حالت پر نظر کر کے کہہ دیتے ہیں کہ اور بھی مسلمان ہیں اس قسم کے وسوسوں سے انسان جلد ہلاک ہو جاتا ہے۔

میں نے بعض خطوط اس قسم کے لوگوں کے دیکھے ہیں جو بظاہر ہمارے سلسلہ میں ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم سے جب یہ کہا گیا کہ دوسرے مسلمان بھی بظاہر نماز پڑھتے ہیں اور کلمہ پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں اور نیک کام کرتے ہیں اور نیک معلوم ہوتے ہیں پھر اس نئے سلسلہ کی کیا حاجت ہے؟ یہ لوگ باوجودیکہ ہماری بیعت میں داخل ہیں ایسے وسوسے اور اعتراض سن کر لکھتے ہیں کہ ہم کو اس کا جواب نہیں آیا۔ ایسے خطوط پڑھ کر مجھے ایسے لوگوں پر افسوس اور رحم آتا ہے کہ انہوں نے ہماری اصل غرض اور منشاء کو نہیں سمجھا۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ رسمی طور پر یہ لوگ ہماری طرح شعائرِ اسلام بجالاتے ہیں اور فرائضِ الہی ادا کرتے ہیں حالانکہ حقیقت کی روح اُن میں نہیں ہوتی۔ اس لیے یہ باتیں اور وسوسے سحر کی طرح کام کرتے ہیں وہ ایسے وقت نہیں سوچتے کہ ہم حقیقی ایمان پیدا کرنا چاہتے ہیں جو انسان کو گناہ کی موت سے بچا لیتا ہے اور ان رسوم و عادات کے پیرو لوگوں میں وہ بات نہیں۔ اُن کی نظر ظاہر پر ہے۔ حقیقت پر نگاہ نہیں۔ اُن کے ہاتھ میں چھلکا ہے جس میں مغز نہیں۔

یاد رکھو اور سمجھو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں کیا یہود تورات کو چھوڑ بیٹھے تھے اور اس پر ان کا عمل نہ تھا؟ ہر گز نہیں۔ یہودی تورات تک بھی تورات کو مانتے اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ ان کی قربانیاں اور رسوم آج بھی اسی طرح ہوتی ہیں جیسے اُس وقت کرتے تھے۔ وہ برابر آج تک بیت المقدس کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں اور اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اُن کے بڑے بڑے عالم اور احبار بھی اُس وقت موجود تھے۔ اُس وقت پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب اللہ کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ دوسری طرف عیسائی قوم تھی ان میں بھی ایک فرقہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کو مانتا تھا پھر کیا وجہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور کتاب اللہ کو بھیجا۔ یہ ایک سوال ہے جس پر ہمارے مخالفوں اور ایسا اعتراض کرنے والوں کو غور کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ ایک باریک مسئلہ ہے لیکن جو لوگ غور اور فکر کرتے ہیں ان کے لیے باریک نہیں ہے۔

یاد رکھو! اللہ تعالیٰ روح اور روحانیت پر نظر کرتا ہے وہ ظاہری اعمال پر نگاہ نہیں کرتا۔ وہ ان کی حقیقت اور اندرونی حالت کو دیکھتا ہے کہ ان کے اعمال کی تہہ میں خود غرضی اور نفسانیت ہے یا اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور اخلاص مگر انسان بعض وقت ظاہری اعمال کو دیکھ کر دھوکہ کھا جاتا ہے۔ جس کے ہاتھ میں تسبیح ہے یا وہ تہجد و اشراق پڑھتا ہے بظاہر ابراہر و اختیار کے کام کرتا ہے تو اس کو نیک سمجھ لیتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کو تو پوست پسند نہیں۔ یہ پوست اور قشر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا اور کبھی راضی نہیں ہوتا جب تک وفاداری اور صدق نہ ہو۔

بے وفا آدمی کتے کی طرح ہے جو مُردار دنیا پر گرے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ بظاہر نیک بھی نظر آتے ہیں لیکن افعالِ ذمیرہ اُن میں پائے جاتے ہیں اور پوشیدہ بد چلنیاں اُن میں پائی جاتی ہیں۔ جو نمازیں ریاکاری سے بھری ہوئی ہوں۔ اُن نمازوں کو ہم کیا کریں اور ان سے کیا فائدہ؟

نماز اُس وقت حقیقی نماز کہلاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے سچا اور پاک تعلق ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت میں اس حد تک فنا ہو اور یہاں تک کہ دین کو دنیا پر مقدم کر لے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان تک دے دینے اور مرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ جب یہ حالت انسان میں پیدا ہو جائے اس وقت کہا جائے گا کہ اس کی نماز، نماز ہے مگر جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتی اور سچے اخلاص اور وفاداری کا نمونہ نہیں دکھلاتا اس وقت تک اس کی نمازیں اور دوسرے اعمال بے اثر ہیں۔

بہت سی مخلوق ایسی ہے کہ لوگ ان کو مومن اور راست باز سمجھتے ہیں مگر آسمان پر ان کا نام کافر ہے۔ اس واسطے حقیقی مومن اور راست باز وہی ہے جس کا نام آسمان پر مومن ہے۔ دنیا کی نظر میں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔ حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل گھاٹی ہے کہ انسان سچا ایمان لاوے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل اخلاص اور وفاداری کا نمونہ دکھلاوے۔ جب انسان سچا ایمان لاتا ہے تو اس کے بہت سے نشانات ہو جاتے ہیں۔ قرآن شریف نے سچے مومنوں کی جو علامات بیان کی ہیں وہ اُن میں پائی جاتی ہیں۔ ان علامات میں سے ایک بڑی علامت جو حقیقی ایمان کی ہے وہ یہی ہے کہ جب انسان دنیا کو پاؤں کے نیچے کچل کر اس سے اس طرح الگ ہو جاتا ہے جیسے سانپ اپنی کپٹلی سے باہر آجاتا ہے۔ اس طرح پر جب انسان نفسانیت کی کپٹلی سے باہر آجاتا ہے تو وہ مومن ہوتا ہے اور ایمان کامل کے آثار اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل: 129) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور تقویٰ سے بھی بڑھ کر کام کرتے ہیں یعنی محسنین ہوتے ہیں۔

تقویٰ کے معنی ہیں بدی کی باریک راہوں سے پرہیز کرنا مگر یاد رکھو! نیکی اتنی نہیں ہے کہ ایک شخص کہے کہ میں نیک ہوں اس لیے کہ میں نے کسی کا مال نہیں لیا، نقب زنی نہیں کی، چوری نہیں کرتا، بد نظری اور زنا نہیں کرتا، ایسی نیکی عارف کے نزدیک ہنسی کے قابل ہے کیونکہ اگر وہ ان بدیوں کا ارتکاب کرے اور چوری یا ڈاکہ زنی کرے تو وہ سزا پائے گا۔ بس یہ کوئی نیکی نہیں کہ جو عارف کی نگاہ میں قابلِ قدر ہو بلکہ اصلی اور حقیقی نیکی یہ ہے کہ نوعِ انسان کی خدمت کرے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں کامل صدق اور وفاداری دکھلائے اور اس کی راہ میں جان تک دے دینے کو تیار ہو۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ (النحل: 129) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو بدی سے پرہیز کرتے ہیں اور ساتھ ہی نیکیاں بھی کرتے ہیں۔

یہ خوب یاد رکھو کہ زبردی سے پرہیز کرنا کوئی خوبی نہ کی بات نہیں جب تک اس کے ساتھ نیکیاں نہ کرے۔ بہت سے لوگ ایسے موجود ہوں گے جنہوں نے کبھی زنا نہیں کیا، خون نہیں کیا، چوری نہیں کی، ڈاکہ نہیں مارا اور باوجود اس کے اللہ تعالیٰ کی راہ میں کوئی صدق و وفا کا نمونہ انہوں نے نہیں دکھایا یا نوعِ انسان کی کوئی خدمت نہیں کی اور اس طرح پر کوئی نیکی نہیں کی۔ پس جاہل ہو گا وہ شخص جو ان باتوں کو پیش کر کے اُسے نیکو کاروں میں داخل کرے کیونکہ یہ تو بد چلنیاں ہیں۔ صرف اتنے خیال سے اولیاء اللہ میں داخل نہیں ہو جاتا۔ بد چلنی کرنے والے، چوری یا خیانت کرنے والے، رشوت لینے والے کے لیے عادت اللہ میں ہے کہ اسے یہاں سزا دی جاتی ہے وہ نہیں مرتا جب تک سزا نہیں پالیتا۔ یاد رکھو کہ صرف اتنی ہی بات کا نام نیکی نہیں ہے۔

تقویٰ ادنیٰ مرتبہ ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی برتن کو اچھی طرح سے صاف کر لیا جاوے تاکہ اس میں اعلیٰ درجہ کا لطیف کھانا ڈالا جائے۔ اب کسی برتن کو خوب صاف کر کے رکھ دیا جائے لیکن اس میں کھانا نہ ڈالا جائے تو کیا اس سے پیٹ بھر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ کیا وہ خالی برتن طعام سے سیر کر دے گا؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح پر تقویٰ کو سمجھو۔ تقویٰ کیا ہے۔ نفسِ امارہ کے برتن کو صاف کرنا۔“

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 235-243)

اللہ تعالیٰ ہمیں ان نصح پر عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ آمین

(کمپوزڈ: عائشہ چوہدری۔ جرمی)

